(غلام گردش)

## تیسرا حصہ

رفیع چار دہائیاں پہلے ملا تھا۔نیم خواندہ سا بے چین نوجوان۔بس ایک سوال پوچھتا تھا کہ زندگی میں آگے بڑھنے کیلئے کیا کرنا چاہیے۔ہاسٹل میں اس سے صرف شناسائی تھی۔وزیرآباد سے تعلق رکھنے والے روم میٹ کا پرانا دوست تھا۔سال میں تین چار بار لاہور آ کر کمرے میں ٹھہرتا تھا۔ہر بار بنیادی سوال وہی ہوتا تھا۔جواب کسی کے پاس بھی نہیں تھا۔نہ میرے پاس اور نہ ہی اسکے قریبی دوست کے پاس۔پانچ سال بعد ہم سارے اپنے اپنے مقدر کی پنسل سے کھینچی ہوئی لکیروں پر تنہا چل پڑے۔کون کہاں گیا، کیوں گیا، بالکل معلوم نہ ہوا۔رفیع بھی ذہن سے فراموش ہو گیا۔ہونا بھی چاہیے تھا۔کوئی ایسی خاص بات تھی ہی نہیں کہ اسے یاد رکھا جائے۔

چند مہینے قبل، لاہور جمخانہ کلب کی تقریب میں حصہ لینے کیلئے گیا تو وہاں اَن گنت لوگ تھے۔جم خانہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اسکی ممبر شپ اتنی کثیر تعداد میں ہے کہ رش بے انتہا بڑھ چکا ہے۔ویسے میں، اکثر ممبران کو نہیں جانتا۔حالانکہ ممبر بنے تیس سال گزر چکے ہیں۔ہر طرف نئے چہرے نظر آتے ہیں۔اجنبی سے لوگ۔مرد اور عورتوں کا مینا بازار سا لگا رہتا ہے۔خیر سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو ایک اجنبی انسان نے دور سے نام لیکر پکارا۔کسی کے نام سے آواز صرف بے تکلف دوست ہی دے سکتے ہیں۔ایک دم ایک ناشناسا شخص گلے لگ دیا۔عجیب کیفیت تھی۔اسکو نہ جانتا تھا نہ پہچانتا تھا۔آواز بھی بہت مانوس نہیں تھی۔تذبذب میں دیکھ کر خود کہنے لگا، رفیع ہوں۔ہوسٹل میں آتا تھا۔ایک دم سب کچھ ذہن میں آ گیا۔ہوسٹل، رفیع اور اسکا وزیرآبادی دوست۔رفیع نے انتہائی شاندار سوٹ پہن رکھا تھا۔بیش قیمت گھڑی کلائی میں تھی اور اٹلی کے جوتے پہن رکھے تھے۔لگتا تھا کہ اسکے دن پھر چکے ہیں۔ماشاءاللہ کافی متمول معلوم ہو رہا تھا۔رفیع بھی اسی تقریب میں مدعو تھا، جہاں میں جا رہا تھا۔خیر اب اس جگہ کیا بیٹھنا تھا۔حاضری لگائی، میں اور رفیع باہر نکل کر جمخانہ کے لان میں بیٹھ گئے۔ذہن میں سوال تھا کہ رفیع، کہاں ہو، کیا کر رہے ہو، کیسے ہو۔رفیع بے حد سادگی سے بات کرتا تھا۔وہی چالیس برس پرانا لب ولہجہ۔بولنے لگا اور پھر کافی دیر تک باتیں کرتا رہا۔میں خاموشی سے سن رہا تھا۔

رفیع کہنے لگا۔جب تمام لوگ ہاسٹل چھوڑ کر اپنے اپنے مقام پر چلے گئے تو میں بالکل اکیلا رہ گیا۔وزیرآباد والا دوست، سعودی عرب چلا گیا۔کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کروں۔سرکاری ملازمت ملنے کیلئے جو تعلیم چاہیے تھی، میرے پاس نہیں تھی۔ایک دو سال دھکے کھا کر معلوم ہو گیا کہ سرکاری ملازمت نہیں مل سکتی۔اب دیکھتا ہوں تو سرکاری ملازمت نہ ملنا میری سب سے بڑی خوش قسمتی تھی۔اب مکمل طور پر بے روزگار تھا۔جیب میں صرف پندرہ ہزار روپے تھے۔اتنے کم پیسوں سے کوئی بھی کاروبار نہیں ہو سکتا تھا۔مایوسی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ایک دن بیٹھے بیٹھے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ کڑھے ہوئے کپڑوں کا کام شروع کیا جائے۔چند مقامی دوستوں سے ذکر کیا تو مذاق اُڑانا شروع کر دیا کہ تمہاری سات پشتوں نے کبھی کوئی کاروبار نہیں کیا۔تمہارے پاس تو کسی قسم کا کوئی تجربہ ہی نہیں ہے۔مگر ٹھان لی کہ میں ملبوسات کا کام ہی کرونگا۔کپڑا بیچنے والے دکاندار کے پاس گیا اور کہا کہ پندرہ ہزار کا کپڑا چاہیے۔اَن سلا کپڑا لیا جو مشکل سے چند تھان بنے۔خریداری کے بعد، پوچھ پوچھ کر، بہاولپور جا پہنچا۔وہاں خواتین گھروں میں کڑھائی شدہ عمدہ ملبوسات بناتی ہیں۔یہ ہنر، وسیب کا ایک

جادو ہے۔خیر میرے پاس پچاس جوڑے تیار ہوگئے۔ایک تھیلے میں کپڑے بند کیے اور لاہور آ گیا۔یہاں بڑے بڑے شوروموں پر گیا۔اکثر جگہ سے انکار ہوگیا۔کوئی بھی سلے ہوئے کُرتوں کے جائز پیسے نہیں دے رہا تھا۔سوچتا رہا کہ کیا کرنا چاہیے۔لبرٹی مارکیٹ کے ایک تاجر کو کہا کہ اپنی دکان پر ملبوسات رکھ لو اور پیسے اس وقت دینا، جب یہ فروخت ہو جائیں۔یعنی مال مکمل اُدھار پر دیدیا۔تاجر مان گیا۔بیس دن بعد واپس لاہور آیا تو تاجر نے کہا کہ دیر سے آئے ہو۔تمہارے دیے ہوئے کُرتے تو تین دن میں بک گئے ہیں۔اس نے ستر ہزار روپے میرے حوالے کر دیے۔یہ زندگی کی پہلی کمائی تھی۔اب سمجھ آ گئی کہ کیا کرنا ہے۔

اب میں نے کاروبار کی اسی لائن کو اپنا مقدر سمجھ کر کام کرنا شروع کر دیا۔کپڑا خریدتا تھا۔مضافاتی علاقوں سے دیدہ زیب کڑھائی کرواتا تھا اور لاہور کے بڑے بڑے شوروموں پر فروخت کر دیتا تھا۔دو سال کے بعد یہی کام کراچی میں شروع کر دیا۔حالت یہ ہوگئی کہ کپڑا فروخت کرنے والوں نے مجھے اُدھار دینا شروع کر دیا۔اگر میں چالیس لاکھ کا کورا کپڑا مانگتا تھا تو آنکھیں بند کر کے دے دیتے تھے۔اسکی وجہ بہت سادہ تھی۔جس تاریخ کو میں نے پیسے دینے ہوتے تھے۔ایک دن پہلے انکی دکان کھلنے سے پہلے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا۔جیسے ہی سیٹھ دکان پر آتا تھا، پیسے واپس کرتا تھا اور خاموشی سے واپس چلا جاتا تھا۔تاجروں کو اس عادت کی وجہ سے میرے اوپر اندھا اعتماد ہوگیا۔چند برسوں میں لاکھوں میں منافع چلا گیا۔اب ملازم بھی رکھ لیے۔ہر شہر میں کاروبار پھیلتا گیا۔پہلے آبائی گھر کی توسیع کی۔اسکے بعد گلبرگ لاہور میں بڑا گھر بنا کر والدین کے ساتھ منتقل ہوگیا۔پہلے خاندان میں نکھٹو سمجھ کر کوئی مونہہ نہیں لگاتا تھا۔مگر دولت آنے کے بعد، ہر رشتہ داری جانے لگا۔کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ میں نے بسوں اور ٹرینوں میں کتنے دھکے کھائے ہیں۔کئی کئی گھنٹے لاہور کی گراؤنڈ میں بیٹھ کر شوروم کھلنے کا انتظار کیا ہے۔کتنی بار، صرف پانی پی کر گزارہ کیا ہے۔خیر والدہ نے شادی کر دی۔کاروبار پھیلتا گیا۔خدا نے تین بچے عطا کیے۔دو بیٹے اور ایک بیٹی۔انکو لاہور کے بہترین سکولوں میں تعلیم دلوائی۔اب کاروبار کرتے ہوئے چالیس سال ہو چکے تھے۔ہر طرح کا سکھ آرام میرے پاس تھا۔اچانک ایک نوجوان تاجر جس سے کپڑا اُدھار پر لیتا تھا، فوت ہوگیا۔میں نے اسکے ساٹھ لاکھ دینے تھے۔چالیس دن کے بعد، اس نوجوان تاجر کے گھر گیا اور اہل خانہ کو ساٹھ لاکھ روپے دیکر واپس آ گیا۔مگر پہلی بار احساس ہوا کہ ٹھیک ہے دولت بھی اہم ہے، مگر موت تو کسی بھی پل آ سکتی ہے۔جانا تو قبر ہی میں ہے۔

گھر بیٹھ کر سوچ میں ڈوبا رہا۔پہلی بار ایک عالم دین کے پاس گیا۔پوچھا کہ دولت کا صحیح مصرف کیا ہے۔سمجھا کہ چندہ دینے آیا ہوں۔لہذا اپنے ادارے کے متعلق مدد کا تقاضا کیا۔ذہنی کیفیت مزید اُلجھ گئی۔گھر آیا اور دو فیصلے کیے۔سب سے پہلے فیصلے کے تحت اپنی دولت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ایک حصہ، اپنے اہل خانہ اور اولاد کیلئے۔ایک حصہ کاروباری ضروریات کیلئے اور ایک حصہ عام لوگوں میں آسانیاں تقسیم کرنے کیلئے۔جب گھر والوں نے فیصلہ سنا، تو کسی نے اُف تک نہ کی۔کسی نے یہ نہیں کہا کہ اپنی دولت کا کثیر حصہ، لوگوں کیلئے کیوں خرچ کر رہے ہیں۔یہ میری زندگی کو تبدیل کرنے والا پہلا فیصلہ تھا۔سب سے پہلے اپنے ان رشتہ داروں کی طرف دھیان گیا جو زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے تھے۔انکی ضروریات پوری کرنی شروع کر دیں۔بچوں اور بچیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانی شروع کر دی۔فیس

میری جانب سے جاتی تھی۔شادی، بیاہ،یعنی اپنے رشتہ داروں اورقرابت داروں کی زندگی بدل دی۔بالکل اسی طرح،مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کے منتظمین سے رابطہ کیا۔اعتماد میں لیکر پوچھا کہ کتنے ایسے سفید پوش طلباءاورطالبات ہیں،جوتعلیمی اخراجات دینے سے قاصر ہیں۔انکے کوائف معلوم کیے۔پھرمعلوم کروایا کہ کیاواقعی ضرورت مند ہیں بھی کہ نہیں۔ان تمام کے خاموشی سے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے شروع کردیے۔تعداددن بدن بڑھتی گئی۔درجنوں سے لیکرسینکڑوں تک یاشائدزیادہ۔بالکل اسی طرح،متعددغریب خاندانوں کی کفالت شروع کردی۔کوشش کی کہ انکے بچوں کوکوئی ایسا ہنرآجائے،کہ ہاتھ پھیلانے کی حاجت نہ رہے۔اس میں بھی بھرپورکامیابی ہوئی۔ایک دن،دفتر میں میرا منیجرآیااوراس نے آمدنی کاتخمینہ میرے سامنے رکھ دیا۔حیران رہ گیا کہ آمدن توقع سے بھی زیادہ ہوچکی تھی۔دوگنی بھی نہیں،چوگنی بھی نہیں،بلکہ ایسے لگتا تھا کہ ہن برس رہا ہے۔زیادہ دولت ہونے کی وجہ سے میں نے لوگوں پرخرچنے والے تیسرے حصے کوبھی اتنا ہی بڑھادیا۔کسی کو بتائے بغیر،کسی تشہیر کے بغیر۔اب میں اَن گنت خاندانوں کاعملی وارث بن چکا تھا۔

دوسرافیصلہ بہت عجیب تھا۔گھر کے نزدیک قبرستان گیااورایک چھوٹی سی جگہ خریدلی۔گورکن کوکہا کہ یہاں میرے لیے قبربنادو۔خالی قبر۔ہفتہ میں ایک بارآیاکرونگا۔گورکن سمجھا کہ میں ایک دیوانہ آدمی ہوں۔زندہ ہوتے ہوئے بھی اپنی قبربنوارہاہوں۔مگرانکارنہیں کرسکتا تھا۔قبرستان کے ایک کونے میں میری خالی قبرتیارکردی گئی۔ہفتہ میں ایک باروہاں جاتاہوں۔قبرکودیکھتاہوں اوراپنے آپکوسمجھاتاہوں کہ تیرامستقل ٹھکانہ تو یہی ہے۔یہاں تو تیرے ساتھ کوئی نہیں ہوگا۔نہ بیوی،نہ بچے،نہ عزیزاورنہ ہی کوئی اور۔یہاں گرمی سے بچنے کیلیئے بھی ائیرکنڈیشنر نہ ہوگااورسردیوں میں یہ برف کی سِل بن جائیگی۔اس سوچ کے بعدمیری ضروریات بھی خودبخودکم ہونی شروع ہوگئیں۔سادگی کی طرف چلاگیا۔اپنے پاس صرف ایک دوسوٹ رکھ لیے۔تاکہ تقریبات میں جانے کیلیئے استعمال کرلوں۔دفتربےحدسادہ سا کُرتاشلوار یاپینٹ شرٹ پہن کرچلاجاتاہوں۔گھرمیں کھڑی ہوئی مرسیڈیزاس وقت استعمال کرتاہوں،جب خاندان سمیت یاکسی سماجی تقریب میں جاناہو۔دفتر جانے کیلیئے چھوٹی گاڑی استعمال کرتاہوں۔اکثراوقات رکشہ استعمال کرلیتاہوں۔اب توخوراک بھی کم استعمال کرتاہوں۔خالی قبردیکھ کربھوک بھی کم ہوگئی ہے۔دن میں صرف ایک بارکھانا کھاتاہوں۔دوماہ پہلے،میرے اکاؤنٹنٹ نے بتایا کہ دولت میں بےحساب اضافہ ہوتاجارہاہے۔شورام پرہمارے ملبوسات کی ڈیمانڈحددرجہ بڑھ چکی ہے۔اپنی دولت کوتین حصوں میں تقسیم کرنے کے فیصلے نے مجھے بدل کررکھ دیا۔باقی کسر،خالی قبرنے پوری کردی۔رفیع تھوڑی دیرکے بعدچلاگیا۔میں لان میں بیٹھاسوچتارہا کہ ہم اپنی دولت کی کتنی حفاظت کرتے ہیں۔چھپاتے ہیں۔اگررفیع کی طرح اسکاتیسراحصہ لوگوں میں آسانیاں بڑھانے کیلیئے مختص کردیں،توخداہمارا کفیل خودبخودبن جاتاہے۔پھروہ دولت میں اضافہ،اسلیے کرتاہے کہ ہم اسکی مخلوق پرمزیدخرچ کریں۔مگریہاں کون مرنے پریقین رکھتاہے۔یہاں تواپنی دولت کی خاطرلوگ بھرپور ذلت مول لے لیتے ہیں۔مگردولت کاتیسراحصہ عام لوگوں پرصَرف نہیں کرتے۔پھرپوچھتے ہیں کہ مصیبتیں ختم نہیں ہوتیں!

راؤمنظرحیات